ابو علی ابن سینا بحیثیت ایک فارسی ادیب اور شاعر

از

(جناب سید غیب حسین صاحب ایم۔اے ریسرچ اسکالر الہ آباد یونی ورسٹی)

نام و نسب | شیخ الرئیس[1] ابو علی الحسین بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن سینا[2] نام حسین، ابو علی کنیت، شیخ الرئیس لقب، دیگر القاب حجۃ الحق[3] الحکیم الوزیر[4] الدستور[5]،

دورِ اسلامی کے مقدم حکماء و اطباء اور متفکرین اور دانشمندوں میں اس کا شمار ہے، شیخ کے حالاتِ زندگی اس کے شاگرد ابو عبید جوزجانی نے بتفصیل ایک رسالہ میں تحریر کئے ہیں، اور دنیا کی دوسری زبانوں میں تذکرہ نویسوں نے شیخ کے سوانح حیات میں جو کچھ تحریر کیا ہے ان کا ماخذ یہی رسالہ ہے، اس کا متن عیون الانباء ابن ابی اصیبعہ میں اور اس کا خلاصہ اخبار الحکماء قفطی میں ہے، صوان الحکمۃ بیہقی میں بھی اس کا خلاصہ درج ہے۔

شیخ کا باپ عبداللہ بلخ کا رہنے والا دولت سامانی کی سلکِ ملازمت میں تھا، امیر نوح بن منصور کے عہد میں بخارا چلا آیا، اور ایک گاؤں خرمثین یا خرمثین میں سرکاری خدمات بجالانے لگا، مضافات بخارا اور بخارا کی زبان فارسی دری تھی، ابن حوقل کا بیان ہے کہ "اہل بخارا کی زبان سغد کے لوگوں جیسی ہے، کلمات میں تھوڑا سا اختلاف اور تحریف پائی جاتی ہے"، سامانیوں

---

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۲، مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ، وفیات الاعیان میں لقب "الرئیس" آیا ہے، اصل میں شیخ الرئیس دو القاب سے مرکب ہے، پہلا "الشیخ" لقب علمی ہے، دوسرا "الرئیس" لقب سیاسی ہے، اور منصبِ وزارت کے پانے کے بعد مشہور ہوا لیکن دونوں لقب ایک کلمۂ مرکب کے طور پر سمجھے جاتے ہیں،

[2] یہ سلسلہ نسب مشہور مکمل اور صحیح ترین ہے جس سے ابو علی سینا مشہور ہے، (طبقات الاطباء ج ۲ ص ۲) لیکن عام طور پر اس کے نسب کو اختصار کے ساتھ حسین بن عبداللہ بن سینا ہی لکھتے ہیں۔ [3] چہار مقالہ نظامی عروضی مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۷ھ ص ۶۸، [4] تتمہ صوان الحکمۃ ص ۴۳، درۃ الاخبار ص ۲۹۔ [5] درۃ الاخبار ص ۲۹،

کے عہدِ حکومت میں بخارا و ماوراء النہر کے دوسرے شہر فارسی دری کے شعر و ادب کے لحاظ سے بڑے زبردست مراکز رہے ہیں آل افراسیاب اور خوارزمشاہان[1] آل اتسز کی تمام مدت حکومت میں فارسی شعر و ادب کے لحاظ سے ان مراکز کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔

سال ولادت | خرمثین کے قرب و جوار میں ایک گاؤں افشنہ تھا، عبداللہ نے اسی گاؤں کی ایک عورت سے جس کا نام ستارہ تھا، شادی کر لی، اس سے ماہ صفر ۳۷۰ھ میں ایک لڑکا پیدا ہوا، اس بچہ کا نام باپ نے حسین رکھا، شیخ الرئیس کا ایک اور بھائی محمود اس کی ولادت کے پانچ سال کے بعد پیدا ہوا۔

کسب علوم | محمود کی ولادت کے بعد عبداللہ اپنے اہل و عیال کو لے کر بخارا میں چلا آیا، یہاں پہنچ کر شیخ کی تعلیم و تربیت کی بنیاد پڑی، دس سال کی عمر میں قرآن مجید اور کئی ایک علوم ازبر کر لئے، شیخ کی ذہانت اعلیٰ پایہ کی تھی، لوگ اس کی فہم و فراست پر حیران رہ جاتے تھے۔

اس زمانے میں خلفائے فاطمی مصر کی طرف سے اسماعیلی داعیوں کی تبلیغ بڑے پیمانہ پر جاری تھی، یہ داعی مسلمانوں کو امامت محمد بن اسمٰعیل بن جعفر صادقؓ کی دعوت دینے پر مامور تھے، ایران کے مرکزی اور مشرقی نواح میں ان کا بہت چرچا تھا، ایرانی لوگ یہاں تک کہ طبقہ امراء و وزراء، فلاسفہ اور ادباء وغیرہ نے اس مذہب کی پیروی اختیار کر لی، شیخ کے باپ اور بڑے بھائی (جو پہلی ماں سے تھا) علی بھی اسماعیلی مذہب کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اس جماعت میں داخل ہو گئے، اس فرقہ سے نفس اور عقل کا ذکر باپ بیٹوں کی زبانی ابو علی

---

[1] خوارزم شاہان آل مامون یا مامونی | خوارزم شاہان کا یہ سلسلہ آل عراق کے دور تسلط میں خوارزم اور کچھ عرصہ گرگانج پر حکومت کرتا تھا، ان میں سے ایک مامون بن محمد نے ۳۸۵ھ میں ابو عبداللہ محمد خوارزم شاہ کو جو آل عراق سے تھا، قتل کر دیا، اور اس کے ممالک کو اپنے تصرف میں لے آیا اور خوارزمشاہ ہو گیا، اس کے مرنے کے بعد ۳۸۷ھ میں علی بن مامون بن محمد نے سلطنت پائی؛ اس کے بعد خوارزم شاہی حکومت ابو العباس مامون بن مامون بن محمد کو ملی ۴۰۷ھ میں وہ قتل ہو گیا، اس کی جگہ محمد بن علی بن مامون بن محمد کو ملی لیکن ۴۰۸ھ میں سلطان محمود نے اسے قید کر لیا (چہار مقالہ ص ۱۴۲-۱۴۴)

(شیخ الرئیس) کے گوش گذار ہوتا رہتا تھا، لیکن شیخ کا قول ہے کہ "میں ان کے مذاکرات سنتا تھا لیکن مجھے ان پر یقین نہ آتا تھا، اس حالت میں انھوں نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور دعوت دی اور اثنائے گفتگو میں فلسفہ، ہندسہ اور حساب کا ذکر بھی لاتے تھے"، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ الرئیس نے اسماعیلی عقاید کو کبھی اختیار نہیں کیا۔

ایک سبزی فروش جس کا نام محمود مساح تھا اور حساب ہندسہ اور جبر و مقابلہ سے بھی واقف تھا شیخ کے والد نے ابو علی کو اس کے سپرد کیا، اسی کے ساتھ ساتھ شیخ فقہ کی تعلیم ایک بزرگ اسمٰعیل الزاہد کے پاس جاکر حاصل کرتا تھا، ان کے مطالب پر غور کرتا اور خلاف مسئلوں پر استاد سے مناظرہ کرتا تھا۔

اسی اثناء میں ابو عبداللہ ناتلی فیلسوف شاگرد ابو الفرج بن الطیب (جو چوتھی صدی ہجری کے اواخر کے مشہور ترین فلسفیوں میں سے تھے) بخارا آگئے، عبداللہ نے انھیں اپنے گھر میں مہمان کیا، غرض یہ تھی کہ ابو علی ان سے اصولِ فلسفہ سیکھے، شیخ نے ان سے کتاب "ایساغوجی" (فوریوس) کی شروع کی، اس کتاب کے مسائل پر اس نے بڑی تحقیق کی اور ان کو اس خوبی سے حل کرتا تھا کہ استاد سن کر باغ باغ ہو جاتا تھا، منطق کی ابتدائی کتابوں کو پڑھنے کے بعد از خود مشکل اور ادق کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا، اور ان کی تشریح ساتھ ساتھ کرتا جاتا تھا، کتاب اقلیدس کی پانچ چھ شکلیں استاد کی مدد سے حل کیں، مجسطی کی کتاب اشکال ہندسہ تک استاد سے پڑھی، عبداللہ ناتلی نے بقیہ کتاب اسے پڑھنے اور حل کرنے کی اجازت دے دی ان کتابوں کو جس قدر سمجھ سکا، استاد کے سامنے دہرائیں، ان میں سے بعض اشکال ایسی تھیں کہ خود عبداللہ الناتلی انھیں سمجھ نہ سکتے تھے، شیخ نے جب ان کو حل کرکے سمجھایا تو ناتلی کی سمجھ میں آئیں، عبداللہ ناتلی جب ابو علی کی تعلیم سے فارغ ہوا تو گرگانج کی راہ لی، اب شیخ نے خود ہی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، علوم طبیعی اور الٰہیات کے متن اور شرحوں کو بڑے غور سے پڑھا حتیٰ کہ اس پر علم کے دروازے کھل گئے، اس کے بعد شیخ کو علم طب کا شوق دامن گیر

ہوا زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ اس فن میں بھی وہ یکتائے روزگار ہوگیا، اس کے نام کی شہرت اطراف و نواح میں پھیل گئی، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بڑے بڑے فاضل اطبا اس کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے دور دور سے پیچیدہ امراض کے مریض اس کے پاس آنے لگے، اس زمانے میں بھی وہ علم فقہ کے مطالعہ میں سرگرم رہا، اور اسمٰعیل زاہد کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض یاب ہوتا رہا۔

جب شیخ کا سن پندرہ سال کا ہوا تو اس نے اپنے تحصیل کردہ علوم پر نظر ثانی کی جس سے اس کے معلومات و محفوظات میں نظم و ترتیب پیدا ہوگئی، شیخ کی عمر ہی کیا تھی، اس کے ہم عمر کھیل کود میں مصروف رہتے مگر شیخ کو ان چیزوں سے کوئی مناسبت نہ تھی، وہ کتابوں کے مطالعہ میں غرق رہتا، اور شب بیداری میں کتابوں کا مطالعہ جاری رکھتا گویا یہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، کہ طلب علم کے ذوق میں اپنے پر نیند حرام کر رکھی تھی، سچ ہے "ومن طلب العلیٰ ھند سحر اللیالی" جس حجت اور دلیل پر غور کرتا پہلے اس کے مقدمات قیاسی ثابت کرتا انھیں کاغذوں پر لکھ لیتا، مقدمات کی شرائط پر غور کرتا جو قیاسات حاصل ہوتے یا حل نہ ہوتے ان کو زیر نظر رکھتا اور اگر کسی مسئلہ میں الجھ جاتا یا حل نہ کرسکتا تو مسجد میں جاکر نماز ادا کرتا اور نہایت تضرع سے خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا کہ اے پروردگار اس مسئلہ کو حل کردے اور ہر رات کو جب گھر لوٹتا تو پڑھنے لکھنے میں مشغول ہو جاتا، اس حالت میں اگر اسے جھپکی بھی آجاتی تو خواب میں وہی مسائل نظر آتے چنانچہ بہت سے مسائل کی حقیقت اس کو خواب ہی میں معلوم ہو جاتی، اس ریاضت کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ جملہ علوم و فنون میں ماہر و کامل ہوگیا اور بقیہ عمر میں پھر اس پر کچھ اضافہ نہ ہوا۔

شیخ بحیثیت ایک طبیب، فلسفی، ریاضی داں، ماہر علم نجوم و فلکیات کے بہت مشہور ہے، باوجود ان کمالات کے علم دین کی تکمیل میں وہ ہمیشہ سرگرم رہا اور قرآن مجید کی تحصیل سے کبھی غفلت نہ برتی، چنانچہ تفسیر اور مسائل تصوف اور علم شعر میں اس کی کئی اہم تصنیفات موجود ہیں

شیخ کے شاگرد ابوعبید جوزجانی[1] نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ:-

"شیخ ایک دن ابومنصور الجبائی کے ساتھ امیر علاء الدولہ کی مجلس میں شامل تھا، لغت کا ایک مسئلہ پیش تھا، شیخ نے بھی اس میں حصہ لیا اور جو کچھ اس کی یادداشت میں تھا اس نے کہا، ابومنصور نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم فلسفی اور حکیم تو ہو ضرور لیکن تمہیں لغت میں کچھ درک نہیں ہے، نہ تم نے پڑھی ہے، شیخ کے دل میں اس طعن نے بڑا اثر کیا، متواتر تین سال تک ادب کے مطالعہ اور تحقیق میں مصروف رہا پھر خراسان سے ایک کتاب تہذیب اللغت مصنفہ ابومنصور الازہری[2] منگوا کر پڑھی، اور لغت میں ایسے درجہ پر پہنچ گیا کہ اس کے مانند بہت کم لوگ پائے جاتے تھے، اس کے بعد تین قصائد لکھے جن میں الفاظِ غریبہ کا استعمال کیا، اور تین کتابیں لکھیں، ایک ابن العمید[3] کے طرز پر دوسری صابی[4] کے طرز پر اور تیسری صاحب[5] کے طرز پر، پھر ان تینوں پر ایسی جلدیں کرائیں کہ جن سے کتابیں بالکل پرانی معلوم ہوں، اور انھیں امیر ابومنصور کی خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ جنگل میں شکار کے لئے گیا تھا، وہاں پڑی پائی ہیں ان پر ذرا غور کیجئے اور ان کے مطالب سمجھائیے، ابومنصور نے جب یہ کتابیں دیکھیں تو انھیں سمجھنے میں بڑی دقت پیش آئی، شیخ نے اس کی رہبری کی اور ان تمام الفاظ کو جن لغات کی کتابوں میں درج تھے بتائے، ابومنصور سمجھ گیا کہ یہ رسائل شیخ کی طبع رسا کا نتیجہ ہیں، اور اس کے طعن کا جواب ہے جو اس نے ایک مرتبہ کیا تھا، چنانچہ اس نے شیخ سے معافی مانگی"۔

کتب و رسائل فارسی

ابوعلی ابن سینا (شیخ الرئیس) کے نام سے بہت سی کتابیں انتساب کی گئی ہیں بعض تو

---

[1] ابوعبید عبدالواحد بن محمد الجوزجانی، الفقیہہ، الحکیم، [2] ابومنصور محمد بن احمد بن الازہر الازہری الہروی اللغوی لغت کے مشہور ائمہ میں سے ہیں سال وفات ۳۷۰ یا ۳۷۱ھ [3] ابوالفضل محمد بن العمید الکاتب وزیر معروف دیالمہ ۳۶۰ھ (وفیات الاعیان مطبوعہ مصر ج ۲، ص ۸۳ - ۸۸)، [4] ابواسحق ابراہیم بن ہلال الحرانی الصابی صاحب رسائل مشہور متوفی قبل ۳۸۰ھ (وفیات الاعیان مصر ج ۱ ص ۱۷ - ۱۸)

[5] الصاحب ابوالقاسم اسمٰعیل بن عباد دانشمند مشہور وزیر مؤید الدولہ و فخر الدولہ دیلمی متوفی ۳۸۵ھ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۰۴ - ۱۰۷

شیخ کی تصنیفات سے ہیں، لیکن اکثر ان میں سے عربی کتابوں کے تراجم فارسی زبان میں اسی مسلم الثبوت استاد کی طرف منسوب ہو گئے ہیں، ان میں سے چند کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

۱۔ دانش نامہ علائی یا دانش نامہ علائیہ، حکمت علائی یا حکمت علائیہ، ان میں سے بہت اہم کتاب ہے، اس کتاب کو شیخ نے علاء الدولہ کاکویہ کی خواہش سے تصنیف کی تھی، یہ کتاب منطق، طبیعیات، ہیئت، موسیقی اور مابعد الطبیعیات پر ہے، لیکن افسوس ہے کہ منطق، الہیات و طبیعیات کے علاوہ کچھ اور لکھنے کی اسے توفیق نہ ہوئی، باقی کتاب (ہیئت، ہندسہ، حساب، موسیقی) اس کے بعد اس کے شاگرد ابو عبید جوزجانی نے شیخ کی مختلف تصانیف (عربی) سے ترجمہ کر کے اسے مکمل کر دیا۔

۲۔ رسالہ نبض، اس کے کئی نسخے کتب خانہ مجلس و مشہد مقدس میں موجود ہیں۔

۳۔ رسالہ معراجیہ یا معراجنامہ، اس رسالہ کو شیخ نے اپنے ایک دوست کی خواہش سے لکھا تھا، اصطلاحاتی تاویلات پر مشتمل ہے، مثلاً روح القدس، وحی، کلام اللہ، نبوت، شریعت اور معراج کے موضوع پر بحث اور اس بات کے اثبات میں کہ معراج روحانی ہے نہ کہ جسمانی، اس کے متعدد نسخہ جات تہران اور کتابخانہ برٹش میوزیم، دار الکتب مصریہ، استنبول میں موجود ہیں،

۴۔ کنوز المعزمین ۔ یہ رسالہ طلسمات اور نیرنجات پر مشتمل ہے، اس کے نسخے تہران اور کتب خانہ استانبول میں موجود ہیں۔

۵۔ ظفر نامہ، ایک چھوٹا سا رسالہ ہے اس کے نسخے تہران، نیگال، بودلین اور استانبول میں موجود ہیں، یہ کتاب امیر سامانی نوح بن منصور کے لئے لکھی تھی،

۶۔ حکمت الموت فارسی، یہ رسالہ ظاہرا شیخ کے عربی رسالہ "حکمت الموت" کا فارسی ترجمہ ہے، استانبول میں اسعد آفندی کے کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے، اور شیخ الرئیس کے نام سے منسوب ہے۔

۷۔ رسالہ نفس، اصل عربی رسالہ ۱۶ فصلوں میں ہے، اس کا فارسی ترجمہ بھی ۱۶ فصول میں ہے، یہ ترجمہ فارسی بھی شیخ کی طرف منسوب ہے، اس کے متعدد نسخے جگہ جگہ موجود ہیں۔

۸۔ رسالہ المبداء والمعاد، اصل رسالہ شیخ نے عربی زبان میں تالیف کیا تھا، اس کا فارسی ترجمہ کتابخانہ برٹش میوزیم میں موجود ہے، اور شیخ کی طرف منسوب ہے،

۹۔ رسالہ المعاد، اصل رسالہ عربی ہے، اس کا فارسی ترجمہ برٹش میوزیم میں موجود ہے اور شیخ کی طرف منسوب ہے۔

۱۰۔ رسالہ اثبات النبوت یا رسالہ نبوت۔ اصل عربی میں ہے اس کا فارسی ترجمہ کتابخانہ نور عثمانیہ استانبول اور کتابخانہ مشہد مقدس میں موجود ہے، اور ابن سینا کی طرف منسوب ہے

۱۱۔ رسالہ علل تسلسل موجودات و حقیقت و کیفیت سلسلہ موجودات و تسلسل اسباب و مسببات، یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے، اس کے نسخے کتابخانہ مشہد و کتابخانہ مدرسۂ عالی سپہ سالار میں موجود ہیں،

۱۲۔ قراضۂ طبیعیات۔ اس رسالہ کا ایک نسخہ کتاب خانہ ملی ایران میں موجود ہے اور شیخ کی طرف منسوب ہے،

۱۳۔ رسالہ وجودیہ طب میں۔ اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ ابن سینا کا لکھا ہوا اسی کی طرف منسوب ہے، آقائے ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے انجمن آثار ملی کی طرف سے چھپوایا ہے، اس رسالہ کی صحت میں تامل ہے۔

۱۴۔ رسالہ پیشین و برین یا علم پیشین و برین۔ اس رسالہ کا ایک نسخہ کتاب خانہ ملک تہران میں موجود ہے۔

۱۵۔ معیار العقول در علم جر ثقیل۔ یہ رسالہ ابن سینا کی طرف منسوب ہے اور پہلی بار ہندوستان میں چھاپا گیا ہے، اور انجمن آثار ملی کی خواہش پر آقائی جلال الدین ہمائی نے بھی اس کو چھپوایا ہے۔

۱۶۔ رسالہ در منطق ۔ اس کا ایک نسخہ کتاب خانہ ملک التجار (تہران) میں موجود ہے، اور شیخ کی طرف منسوب ہے۔

۱۷۔ رسالہ عشق ۔ یہ رسالہ ابن سینا کے رسالہ "العشق" کا ترجمہ ہے اور اس کا فارسی ترجمہ شیخ کی طرف منسوب ہے،

۱۸۔ رسالہ اکسیر ۔ یہ قلمی نسخہ شیخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتابخانہ سلطان احمد سوم میں موجود ہے اور شیخ الرئیس کی طرف منسوب ہے۔

۱۹۔ رسالہ در اقسام نفوس ۔ اس کا ایک نسخہ کتابخانہ مجلس شورائے ملی میں موجود ہے اور ابو علی سینا کی طرف منسوب ہے، ظاہرا یہ کتاب بھی شیخ کے عربی رسائل میں سے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے۔

۲۰۔ تشریح الاعضاء ۔ اس رسالہ کا ایک نسخہ کتاب خانہ سلطان احمد سوم و ایا صوفیہ و حمیدیہ و فاتح و نور عثمانیہ استانبول میں موجود ہے اور شیخ کی طرف منسوب ہے۔

۲۱۔ رسالہ در معرفت سموم و دفع مضرات آں در سہ باب ۔ اس رسالہ کو بھی شیخ کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن صحت میں کلام ہے۔

۲۲۔ حل مشکلات معینیہ ۔ اس کا ایک نسخہ کتاب خانہ ایا صوفیہ میں موجود ہے اور شیخ الرئیس کی طرف منسوب ہے۔

۲۳۔ شرح کتاب النفس ارسطو ۔ یہ کتاب ارسطو کی کتاب النفس کی عربی شرح جو ابن سینا کی تھی اس کا فارسی ترجمہ ہے، اس کتاب کا ایک نسخہ کتابخانہ سلطان احمد سوم استانبول میں موجود ہے، اور ابن سینا کی طرف منسوب ہے۔

مذکورہ رسائل میں جو براہ راست شیخ کے فارسی نسخوں کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اکثر کی صحت میں تامل ہے، لیکن چونکہ اس استاد کے نام سے شہرت پا گئے ہیں اس لئے ان کا یہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔

ترجمۂ اشارات ابوعلی کہ ان میں سے بعض انوری شاعر کی طرف منسوب کرتے ہیں، ایک نسخہ جو اس کتاب پر منحصر ہے ۱۳۱۶ھ میں تہران میں چھپ چکا ہے،

خطبہ در توحید بنام خطبۃ الغراء شیخ کی اس تصنیف کو ۴۷۲ھ میں حکیم عمر خیام نے فارسی زبان میں منتقل کیا، اور یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ مجلہ شرق میں طبع ہوا،

شرح و ترجمہ حی بن یقظان جو علاء الدولہ کاکویہ کے حکم سے لکھا گیا اس کی عبارت نہایت فصیح و بلیغ ہے بعض لوگ اس کو جوزجانی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شرح رسالۃ الطیر از عمر بن سہلان ساوی، ۱۹۳۵ء میں اسٹٹگارٹ میں طبع ہوئی۔

ابن سینا کا ادب میں مقام

بوعلی سینا صرف علوم و فنون کا ماہر ہی نہ تھا کہ اسی کی بحث و تحقیق میں مصروف رہتا ہو بلکہ ادب میں بھی اس کا مقام نہایت اعلیٰ و ارفع ہے، عربی اور فارسی زبانوں پر اسے بڑا عبور حاصل تھا، عربی زبان پر اسے جو قدرت حاصل تھی اور مطالب کے ادا کرنے میں اسے جو مہارت تھی اس کی نثر سے کافی طور پر عیاں ہے مقاصدِ علمی کے اظہار میں ادبی حیثیت سے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں زبان فارسی دری میں علمی کتابوں کی تحریر کا آغاز ہوا لیکن ابھی اس زبان میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس میں مقاصدِ علمی بیان کئے جا سکیں، لیکن ابن سینا اس زبان میں بھی تصنیف و تالیف سے غافل نہ ہوا، مصطلحات کے جمع کرنے اور فلسفی و علمی مصطلحات کی ایجاد اپنی مادری زبان میں کر کے آنے والے ایرانی ادیبوں کا پیشرو بنا، اس سے قطع نظر دوسرے فنونِ ادب یعنی شعر و شاعری کے میدان میں بھی اپنے زمانے کا ممتاز شاعر تھا، ایک ایسا شخص کہ جس کی اس کثرت سے تالیفات ہوں اور جس کا غالب وقت سیاسی گتھیوں کے سلجھانے میں صرف ہوتا ہو اس کیلئے عربی اور فارسی میں شعر کہہ لینا کوئی معمولی بات نہیں۔

ابوعلی سینا کا فارسی کلام چند قطعوں، رباعیوں اور قصائد پر مشتمل ہے، جو کتابوں میں پراگندہ ملتے ہیں، فارسی اشعار کی کل تعداد ۲۲ قطعات، رباعیاں اور کچھ ابیات جن کی تعداد کل ملاکر

۶۶۵ تک پہنچتی ہے، سفینوں، مجموعوں اور بعض کتابوں مثلاً آتش کدہ آذر، تذکرہ محمد صادق ناظم تبریزی، مجمع الفصحا، ریاض العارفین ہدایت، اور مجالس المومنین قاضی نور اللہ اور نامۂ دانشوران وغیرہ میں ملتے ہیں، ان میں سے کچھ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

اگر دل از غم دنیا جدا توانی کرد — نشاط عیش بدار بقا توانی کرد
دگر باہ ریاضت بر آوری نفسی — ہمہ کدورت دلہا صفا توانی کرد
ز منزلات ہوس گر بروں نہی گامی — نزول در حرم کبریا توانی کرد
دگر ز ہستی خود بگذری یقیں میدان — کہ عرش و فرش و ملک زیر پا توانی کرد
ولیکن این عمل رہروان چالاکست — تو نازنین جہانی کجا توانی کرد
نہ دست و پائے امل را فرو توانی بست — نہ زنگ و بوئی جہاں را رہا توانی کرد
چو بوعلی ببر از خلق و گوشہ بگزیں — مگر کہ خوئی دل از خلق را توانی کرد

غذائی روح بود بادہ رحیق الحق — کہ رنگ و بوش کند رنگ و بوئی گل رادق
برنگ زنگ زداید ز جان اندہگیں — ہمائی گردد اگر جرعۂ بنوشد بق
بطعم تلخ چو پند پدر دلیک مفید — بپیش مبطل باطل بنزد دانا حق
مے از جہالت جہال شد بشرع حرام — چو مہ کہ از سبب منکران دیں شد شق
حلال گشتہ بفتوای عقل بر دانا — حرام گشتہ باحکام شرع بر احمق
شراب را چہ گنہ زانکہ ابلہی نوشد — زباں بہرزہ گشاید دہد ز دست ورق
حلال بر عقلا و حرام بر جہال — کہ مے محک بود و خیر و شر ازو مشتق
غلام آں مے صافم کز و رخ خوباں — بیک دو جرعہ بر آرد ہزار گونہ عرق
چو بوعلی مے ناب ار خوری حکیمانہ — بحق حق کہ وجودت شود بحق ملحق

روز کی چند در جہاں بودم — بر سر خاک باد پیمودم
ساعتی لطف و لحظۂ در قہر — جان پاکیزہ را بیالودم

باخرد را بطبع کردم ہجو　　بی خرد را بطبع بستودم
آتشی بر فروختم از دل　　د آب دیده از آں بپالودم
باہواہاے حرصِ شیطانی　　ساعتی شادماں بغنودم
آخر الامر چوں برآمد کار　　رفتم و تخم کشتہ بدرودم
گوہرم باز شد بگوہرِ خویش　　من ازیں خستگی بیاسودم
کس نداند کہ من کجا رفتم　　خود ندانم کہ من کجا بودم

گماں برم کہ دریں روزگار تیرہ چو شب　　بخفت چشم مروت بمرد مادر جود
ز سیرِ ہفت ستارہ در ایں دوازدہ برج　　بشد دوازدہ سال اندریں دیار حدود
ہزار شخص کریم از وجود شد بعدم　　کہ یک کریم نمی آید از عدم بوجود

بگذار از بندِ مجاز و دور گرد از دامِ حس　　ہر کہ باد و نان نشیند ہمت او دوں شود
چوں بود کامل کسے در خطۂ کون و فساد　　کو نداند چوں در آید یا از آنجا چوں شود

دل گرچہ دریں بادیہ بسیار شتافت　　یک موئی ندانست ولی موی شگافت
اندر دلِ من ہزار خورشید بتافت　　و آخر بکمال ذرۂ راہ نیافت

تا بادۂ عشق در قدح ریختہ اند　　و ندر پئ عشق عاشق انگیختہ اند
با جان و رواں بو علی مہر علی　　چوں شیر و شکر بہم برآمیختہ اند

کفر چو منی گزاف و آساں نبود　　محکم تر از ایمانِ من ایماں نبود
در دہر چو من یکی و او ہم کافر　　پس در ہمہ دہر یک مسلماں نبود

از قعرِ گلِ سیاہ تا اوجِ زحل　　کردم ہمہ مشکلاتِ گیتی را حل
بیروں جستم ز قیدِ ہر مکر و حیل　　ہر بند گشادہ شد مگر بند اجل

اے کاش بدانمی کہ من کیستمے　　سرگشتہ بعالم از پئے چیستمے
گر مقبلم آسودہ و خوش زیستمے　　ورنہ بہزار دیدہ بگریستمے

رفت آں گہری کہ بود پیرائۂ عمر — وآورد زمانہ طاقِ سرمایۂ عمر
از موئے سپیدم سرِ بستانِ امید — بنگر کہ سیاہ میکند دایۂ عمر

بعض رباعیاں اور بھی ہیں جو مجمع الفصحا، ریاض العارفین وکشکول شیخ بہائی ابوعلی کے نام سے ملتی ہیں، اور یہی رباعیاں خیام کی رباعیوں کے نام سے خیام کی رباعیات میں ملتی ہیں جسب ذیل ہیں:۔

می حاصل عمر جاودانیست بدہ — سرمایۂ لذت جوانیست بدہ
سوزندہ چو آتشست لیکن غم را — سازندہ چو آب زندگانیست بدہ

با یک دو سہ ناداں کہ چنیں می دانند — از حمق کہ دانائے جہاں آنانند
خر باش کہ ایں جماعت از فرطِ خری — ہر کو نہ خرست کافرش میخوانند

مائیم بعفو تو تولی کردہ — وز طاعت و معصیت تبری کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد باشد — ناکردہ چو کردہ کردہ چوں ناکردہ

شیخ الرئیس ابو علی سینا اور عمر خیام کے زمانوں میں قریباً سوا سو[۱۲۵] سال کا فرق ہے، شیخ کے تبحرِ علمی کا اندازہ کیجئے بُعد زمانی کے باوجود اچھے اچھے مسلم الثبوت استاد اس صاحبِ کمال کے کلام اور عمر خیام کے کلام میں امتیاز نہ کر سکے حالانکہ شیخ کے زمانہ میں فارسی زبان اس بوجھ کی متحمل نہ سمجھی جاتی تھی کہ اس کا شمار علمی زبانوں میں کیا جا سکے اور یہی وجہ ہے کہ جو علماء علوم و فنون کی کتابیں لکھتے تھے وہ عربی زبان کو اپنے مقاصد کے اظہار کا ذریعہ بناتے تھے، مگر شیخ کا کمال اظہر من الشمس ہے کہ اس نے اگرچہ اپنی تصانیف کو عربی کا جامہ پہنایا، لیکن اس کا قلم معجز رقم فارسی میں بھی اسی قدر پر زور اور گہر افشاں تھا کہ آنے والی نسلوں نے اس سے بے انتہا استفادہ کیا اور فارسی نظم و نثر میں اس نے جو خامہ فرسائی کی ہے، آیندہ زمانے کے لئے دلیلِ راہ بن گئی ہے، بس یہی کہنا پڑتا ہے کہ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَشَاءُ " افسوس ہے کہ شیخ نے طویل عمر نہیں پائی، اس کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، مگر زیادہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ اس نے کم سے کم ترپن[۵۳] سال اور زیادہ سے زیادہ اٹھاون سال کی عمر پائی اور اس عرصہ میں جتنی کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔۔